پروفیسر محمد اسلم

تحفۃ السعدا

رضا لائبریری رام پور میں تحفۃ السعدا کے عنوان سے حضرت شیخ سعد بن بڈھن خیر آبادی کے سوانح پر مشتمل پچاس ورق کا ایک نادر مخطوطہ محفوظ ہے[1] اس کے مصنف نے متن میں اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔ " فقیر حقیر ضعیف نحیف گناہ گار امیدوار رحمت پروردگار غفار خواجہ جمال خاکروب آستانہ قدوۃ العارفین عمدۃ السالکین قطب العارفین شیخ سعد خیر آبادی قدس سرہٗ "[2]

فاضل مصنف مخدوم شیخ کمال بن سراج الاسلام محمود کے مرید تھے۔ موخر الذکر بزرگ شیخ سعد کے بھتیجے اور جانشین تھے۔ شیخ کمال کو اپنے بزرگوں سے جو خرقہ ملا تھا، وہ انھوں نے فاضل مصنف کو پہنایا تھا۔

تحفۃ السعدا کی تصنیف کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ ان کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ وہ شیخ سعد کے سوانح مرتب کریں لیکن فرصت عنقا تھی۔ جب ان کے فرزند شاہ حمید ابوالفیض نے اصرار کیا تو انھوں نے حامی بھر لی اور اس کام کو انجام تک پہنچا دیا[3] تحفۃ السعدا کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: " الحمد للہ والصلوٰۃ علی نبیہ محمد الداعی الی الحق وطریقۃ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وشیعتہ ....

شیخ سعدؒ نسباً بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے جد امجد قاضی قدوۃ الدین المعروف بقاضی قدوہ روم سے ہندوستان آئے۔ سلطان وقت نے ان کی بڑی قدر کی اور انھیں اجودھیا میں جاگیر عطا کی۔ ان کی اولاد، جو قدوائی کہلاتی ہے، بارہ بنکی کے نواح میں خوب پھلی پھولی۔ شیخ سعد قاضی قدوہ کے فرزند قاضی موفق کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے اپنی ایک تصنیف تحفۃ المحمود میں اپنا نام یوں لکھا ہے: "اضعف العباد القوی العالی سعد بن مکرم المعروف بقاضی بدہن البلخی القرشولی "[4]

شیخ سعد کا اصل وطن اُتام تھا لیکن حصولِ علم کی خاطر انھوں نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی موصوف

---

[1] خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، مخطوطہ رضا لائبریری رام پور، نمبر فارسی سلوک ۲۳۴۲

[2] ایضاً، ورق ۱ الف [3] ایضاً [4] ایضاً، ورق ۱۸ الف

نے پچاس سال تحصیل علم میں صرف کیے۔ ان کے اساتذہ میں ملک العلما بدر العلما قاضی شیخ بن شیخ مرتضیٰ برادرزادہ استادالائمہ منتجب بن عُلا کا نام سرفہرست ہے[۵۴] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ان کے ایک استاد مولانا اعظم کا ذکر کیا ہے، جو اپنے عہد کے نامور عالم اور فقیہ تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ سعد علوم شریعت وطریقت کے عالم ہونے کے علاوہ نحو، فقہ اور اصول میں بھی بڑا درک رکھتے تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف اور شارح تھے۔ ان کی تصانیف میں انھوں نے شرح مصباح، شرح حسامی، شرح بزدوی، شرح رسالہ مکیہ اور مجمع السلوک کا ذکر کیا ہے۔ آخر الذکر کتاب میں انھوں نے اپنے مرشد مخدوم شاہ مینا لکھنویؒ کے ملفوظات جمع کیے تھے اور یہ کتاب انھوں نے مخدوم جہانیاں کے ملفوظات خزانۂ جلالی کی طرز پر قلم بند کی تھی[۵۵] صاحب تحفۃ السعدا نے اس فہرست میں شرح اشعار لباب الاعراف المعروف بہ تحفۃ المحمود، رسالہ اجابت سماع اور خواب نامہ کا اضافہ کیا ہے۔ تحفۃ المحمود انھوں نے اپنے بھتیجے اور جانشین سراج الاسلام محمود کی خاطر لکھی تھی، اس لیے ان کے نام کی مناسبت سے یہ تحفۃ المحمود کے نام سے مشہور ہو گئی[۵۶]

شیخ سعد، مخدوم شاہ میناؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ موصوف اپنی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب وہ مخدوم صاحب کی خدمت میں بغرضِ بیعت حاضر ہوئے تو انھوں نے ان سے روزہ رکھوایا اور نمازِ عشا کے بعد غسل کروایا۔ بعدازاں مخدوم صاحب نے انھیں قبلہ رو بٹھایا اور خود قبلے کی جانب پشت کر کے بیٹھے۔ مخدوم صاحب نے انھیں خوشبو عنایت فرمائی جو انھوں نے اپنے محاسن پر ملی۔ اس کے بعد مخدوم صاحب نے انھیں تلقین کی اور سند عطا فرمائی۔ شیخ سعدؒ نے اپنی تصنیف شرح رسالہ مکیہ میں تلقین کی سند یوں نقل کی ہے:

سعد بڈھن از شیخ محمد بن قطب (شیخ میناؒ) از شیخ سارنگ از مخدوم یوسف ایرجی از مخدوم جہانیاں از شیخ امام الدین گازرونی از شیخ اوحدالدین عبداللہ بن مسعود از شیخ اصیل الدین از شیخ رکن الدین ابی القاسم از شیخ قطب الدین بن ابی رشید احمد بن محمد بن صفی ابہری از شیخ ضیاءالدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی از

---

۵۴ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، مخطوطہ رضا لائبریری رام پور، نمبر فارسی سلوک ۲۳۴۲، ورق ۱۸ ب

۵۵ شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۱۹۳

۵۶ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۱۸ الف

شیخ ابی احمد غزالی از ابی حفص عمر بن محمد عمویہ سہروردی از شیخ ممشاد دینوری از خواجہ جنید از خواجہ سری سقطی از خواجہ معروف کرخی از خواجہ داؤد طائی از حبیب عجمی از خواجہ حسن بصری از سیدنا علیؓ از احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم [۵۸]

اس فہرست میں شیخ قوام الدین کا نام غائب ہے۔ فاضل مصنف نے اس کی یہ توضیح کی ہے کہ شیخ سارنگ نے شیخ قوام الدین سے اپنے دورِ امارت میں فیض اخذ کیا تھا اور مخدوم یوسف ایرجی سے ترکِ دنیا کے بعد صحبت رہی تھی، اس لیے انھوں نے اپنی زندگی کے اوّلین دور کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ بدیں وجہ اس فہرست سے شیخ قوام الدین کا نام غائب ہے۔ ایک دوسرے واسطے سے مخدوم یوسف ایرجی کو شیخ قوام الدین سے بھی فیض ملا تھا، اس لیے ان کا شمار بھی مخدوم صاحب کے مشائخ میں ہوتا ہے [۵۹]

شیخ سعد کے مرشد

شیخ سعد حضرت شیخ محمد بن شیخ قطب المعروف بہ شاہ میناؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شاہ مینا کے آباواجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔ شیخ قطب امیر تیمور کے حملے سے قبل دہلی سے ترکِ سکونت کر کے جون پور چلے گئے۔ جون پور اس زمانے میں شاہان شرقی کا پایہ تخت تھا اور وہاں علما و فضلا کی کمی نہ تھی۔ اس کے باوجود شیخ قطب کی طبیعت جون پور سے اچاٹ ہوگئی اور وہ دلمئو چلے گئے [۶۰] کچھ عرصے کے بعد انھوں نے دوبارہ رختِ سفر باندھا اور دلمئو سے ترکِ سکونت کر کے لکھنؤ میں جا بسے [۶۱]

جس زمانے میں شیخ قطب لکھنؤ پہنچے ان دنوں وہاں شیخ قوام الدین کے زہد و ورع کا بڑا شہرہ تھا۔ موصوف ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر انھی کے ہو کر رہ گئے۔ شیخ قطب ابھی تک مجرد تھے۔ حضرت قوام الدین کے حکم سے انھوں نے شادی کر لی۔ حضرت نے انھیں بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو چشتیہ سلسلے کا نام روشن کرے گا [۶۲]

شیخ قوام الدین کا اکلوتا بیٹا نظام الدین فوت ہوگیا تو انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا، "میں نے اپنے بیٹے

---

۵۸ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۲۱ ب
۵۹ ایضاً، ورق ۲۲ ب
۶۰ دلمئو، کان پور۔ اناؤ ۔ رائے بریلی ریلوے لائن پر کان پور سے ۹۹ کلومیٹر اور رائے بریلی سے ۲۹ کلومیٹر پر اودھ کا ایک مشہور قصبہ ہے۔
۶۱ سید محی الدین رضوی، ملفوظات شاہ مینا، مطبوعہ مطبع مرقع عالم ہردوئی، ص ۳
۶۲ ایضاً

کی جگہ خدا سے تمہارے لیے بیٹے کی دعا کی ہے۔ اس کا نام شیخ محمد مینا ہوگا اور وہ نظام الدین کا نعم البدل ہوگا۔[۱۳]

شاہ مینا ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ اس وقت شیخ قوام الدین فوت ہو چکے تھے۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی اہلیہ نے ان کی تربیت کی۔ جب شاہ مینا لکھنے پڑھنے کے قابل ہوئے تو شیخ قوام الدین کے ایک مرید قاضی فریدوں نے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔ قاضی فریدوں نے انھیں کافیہ پڑھایا او باقی ضروری علوم انھوں نے قاضی منتجب الدین سے پڑھے۔ شاہ مینا نے عوارف المعارف کے چند اسباق شیخ اعظم ثانی سے پڑھے[۱۴] علوم ظاہری سے فراغت کے بعد موصوف شیخ قوام الدین کے خلیفہ حضرت شیخ سارنگ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

شاہ میناؒ کے ملفوظات ان کے ایک مرید سید محی الدین رضوی نے جمع کیے ہیں۔ ان کے مطالعے سے مترشح ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اچھے پڑھے لکھے بزرگ تھے اور انھوں نے اس زمانے میں مروّجہ تصوف کو عجمی او ہندی اثرات سے پاک کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

شیخ سعدؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے بیس سال شاہ مینا کی خدمت میں گزارے۔ اس دوران میں انھوں ان کو ٹانگیں دراز کر کے بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔ شاہ صاحب ہمیشہ قبلہ رو بیٹھا کرتے تھے۔ وہ نہ تو کھانے کا فرمائش کرتے اور نہ ہی اچھا کپڑا سلواتے۔ ان کا قول ہے: جو صوفی اچھا کھائے پیئے یا پہنے وہ صوفی نہیں بلکہ راہزنِ دینِ مصطفیٰ ہے۔ صوفی کو چاہیے کہ ہمیشہ وضو کر کے کھانا کھائے تاکہ شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو۔ کھانے کے دوران بھی وہ تسبیح جاری رکھے اور کھانے سے فارغ ہو کر وضو کرے تاکہ کھانا بوجھ نہ بنے۔

شاہ مینا ۸۸۴ھ (۱۴۷۹ء) میں فوت ہوئے۔ ان کی درگاہ میڈیکل کالج لکھنؤ کے چوک میں واقع او مرجعِ خلائق ہے[۱۵] ۱۹۷۷ء میں کندھی لال نامی ایک ہندو کی بیوہ نے چالیس ہزار روپوں کی لاگت سے ا

---

۱۳ ایضاً۔ عبداللہ خویشگی معارج الولایت میں لکھتے ہیں کہ شیخ قوام الدین نے یہ بات شیخ قطب سے کہی تھی۔ (معارج الولایت مخطوطہ یونیورسٹی لائبریری۔ نمبر ۲۵ - H - ورق ۱۸۴ ب)۔ ملفوظات شاہ مینا کے مقابلے میں معارج الولایت بہت بعد کی تصنیف ہے۔ اس لیے سید محی الدین رضوی کا صحیح معلوم ہوتا ہے۔

۱۴ شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۱۵۵

۱۵ راقم الحروف نے ۱۵ اگست ۱۹۷۸ء کو اور پھر ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء کو مخدوم شاہ مینا کے مزار پر حاضری دی ہے۔ ان کے مزار پر ہر وقت

مقبرہ بنوایا ہے جو ایک غیر مسلم کی طرف سے شاہ مینا کے ساتھ عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شیخ سعد کے دادا مرشد

شیخ سعد کے دادا مرشد شیخ سارنگؒ کا شمار سلطان فیروز تغلق کے درباری امرا میں ہوتا تھا۔ زمانۂ امارت میں وہ بارہ ہزار سواروں کے کمان دار تھے۔ عبداللہ خویشگی کی روایت ہے کہ ان کی بہن محمد بن سلطان فیروز تغلق کے عقد میں تھی اور ان کا زیادہ تر وقت سلطان فیروز تغلق کی صحبت میں گزرتا تھا۔ ان دنوں وہ ملک سارنگ کے نام سے مشہور تھے[۱۶]۔ زمانۂ امارت میں وہ شیخ قوام الدین سے اخذ فیض کرتے رہے اور انھوں نے انھیں اپنے حلقۂ مریدین میں داخل کر کے چشتیہ سلسلے میں خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔

جب کبھی مخدوم جہانیاں یا ان کے بھائی راجو قتال اُوچہ سے دہلی تشریف لاتے تو سلطان فیروز تغلق ان ہی کے ہاتھ انھیں کھانا بھیجا کرتا تھا۔ حضرت راجو قتال کی تلقین سے انھوں نے نماز شروع کی۔ ایک روز انھوں نے ملک سارنگ کو مخدوم جہانیاںؒ کا پس خوردہ کھلایا اور اس کے ساتھ ہی ان کا باطن روشن ہو گیا[۱۷]۔ دوسری بار جب حضرت راجو قتالؒ دہلی تشریف لائے تو انھوں نے ملک موصوف کو اشراق اور چاشت کی نمازیں ادا کرنے کی تلقین فرمائی اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ مخدوم جہانیاں نے بھی انھیں یہ شرف بخشا۔ کچھ عرصے بعد ان لوگوں کی توجہ کا اثر ظاہر ہوا اور وہ تمام مال و اسباب لٹا کر حجاز مقدس چلے گئے۔

حرم شریف میں شیخ سارنگ شیخ وقت حضرت یوسف ایرجیؒ سے فیض یاب ہوئے۔ حرمین شریفین سے واپسی پر وہ سید راجو قتالؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے سہروردی سلسلے میں خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنے بزرگوں کی امانتیں ان کے سپرد کیں[۱۸]۔ شاہ میناؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "شیخ سارنگ ہمیشہ زبانی اور عملی طور پر ان دونوں بزرگوں کی اتباع کیا کرتے تھے اور وہ ان کی اطاعت سے تجاوز نہیں فرماتے تھے[۱۹]"

عبداللہ خویشگی کی روایت ہے کہ سلطان وقت نے ان کی خانقاہ کے اخراجات کے لیے جاگیر دینا چاہی تو

۱۶؎ عبداللہ خویشگی، معارج الولایت، ورق ۲۱۴ ب

۱۷؎ محمد اسلم، احوال و آثار مخدوم شاہ مینا لکھنوی، مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور، ص ۷

۱۸؎ شیخ عبدالحق محدث، اخبار الاخیار، ص ۱۵۵

۱۹؎ سید محی الدین رضوی، ملفوظات شاہ مینا، ص ۴۳

انھوں نے قبول کرنے سے معذرت چاہی اور فرمایا کہ وہ اس دلدل سے نکل آئے ہیں۔[۱۹] شیخ سارنگ نے بڑی طویل عمر پائی۔ شیخ سعد فرماتے ہیں کہ ان کی عمر ۱۲۰ سال کے لگ بھگ ہوئی۔ وہ پیرفانی ہوگئے تھے اور اُن میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ ایک بار وہ رمضان المبارک میں دن کے وقت کھانا تناول فرما رہے تھے۔ شاہ مینا ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ معاً ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ سارنگؒ اپنا پس خوردہ انھیں عنایت فرمائیں تو وہ اس کے عوض بطور کفارہ ساٹھ روزے رکھنے کو تیار ہیں۔ شیخ سارنگ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "تم قطب ہو۔ میں تمھیں خلاف شریعت حکم نہیں دے سکتا۔ میں تو معذور ہوں۔ اگر رات کو کچھ کھایا تو اس میں سے دے دوں گا۔"[۲۰]

شیخ سعد فرماتے ہیں کہ انھوں نے لکھنؤ سے بارہ کوس کے فاصلے پر مجھگاؤں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کا زیادہ تر وقت عبادت اور ریاضت میں گزرتا تھا۔ ایک بار حضرت راجو قتال نے انھیں خرقۂ خلافت بھیجا تو انھوں نے یہ کہتے ہوئے لینے سے انکار کردیا کہ وہ اس لائق کہاں ہیں کہ بزرگوں اور ولیوں جیسا لباس پہنیں۔ اس پر حضرت راجو قتال نے پیغام بھیجا کہ انھوں نے وہ خرقہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے بھیجا ہے۔ اس واقعے کے بعد اگر کوئی شخص اودھ سے حضرت راجو قتالؒ کے پاس مرید ہونے کی غرض سے جاتا تو وہ اسے مرید نہ کرتے بلکہ شیخ سارنگ کا مرید ہونے کا مشورہ دیتے۔ حضرت راجو قتال فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے اس نواح میں شیخ سارنگ کو نصب کیا ہے۔[۲۱]

شیخ سارنگ نے اپنی حیات میں صرف تین اصحاب، شیخ حسام الدین صوفی، شاہ مینا اور اپنے پوتے شیخ محمد کو خلافت سے نوازا۔[۲۲] انھوں نے سولہ ماہ شوال ۸۵۵ھ کو وفات پائی اور مجھگاؤں میں دفن ہوئے۔ ان کا مزار مجھگاؤں میں مرجع خلائق ہے۔ ایک زمانے میں یہ قصبہ ان کے نام کی مناسبت سے سارنگ پور بھی مشہور ہوگیا تھا۔

شیخ سعد کے پردادا مرشد

شیخ سعد کے پردادا مرشد شیخ قوام الدینؒ کا ذکر اخبار الاخیار میں صرف ڈیڑھ سطر میں آیا ہے۔[۲۴] عبداللہ خویشگی

---

۲۰ عبداللہ خویشگی، معارج الولایت، ورق ۲۱۵ ب

۲۱ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۶ ب، ۷ الف

۲۲ ایضاً، ورق ۶ ب

۲۳ سید محی الدین، ملفوظات شاہ مینا، ص ۲۳

۲۴ شیخ عبدالحق محدث، اخبار الاخیار، ص ۱۵۵

نے بھی معارج الولایت میں ان کے لیے صرف ایک صفحہ وقف کیا ہے لیکن اس میں بھی کام کی باتیں نہ ہونے کے برابر ہیں[۲۵] ملفوظاتِ شاہ مینا اور تحفۃ السعدا میں شیخ قوام الدین کا ذکر بار بار آیا ہے اور وہیں سے ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

شیخ قوام الدین نسلاً عباسی اور کرہ (مانک پور) کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار چشتیہ سلسلے کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ ان کی روحانی تربیت حضرت مخدوم جہانیاں نے کی تھی۔ موصوف کو مخدوم صاحب کے بھائی اور جانشین سید محمد بن احمد الحسینی المعروف بہ راجو قتال کی صحبت میں بیٹھنے کا بھی شرف حاصل تھا۔

شیخ قوام الدین نے سلسلۂ چشتیہ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی۔ انھوں نے سات بار حج کی سعادت حاصل کی تھی[۲۶] شاہ مینا اپنی گفتگو میں شیخ قوام الدینؒ کو محتسبِ عارفان یا محتسبِ درویشاں کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے[۲۷] ایک بار انھوں نے درویشی کے معیار کے بارے میں فرمایا: "اے درویش! درویشی کی کسوٹی اور معیار کتاب، سنت اور اسلاف کی سیرت ہے، جو ہمارے مقتدا تھے۔ صرف اجازت ملنے یا بابرکت جگہ پر بیٹھنے سے کام نہیں بنتا کہ یہ فلاں بزرگ کا فرزند ہے جو اپنے بزرگوں کی مسند پر براجمان ہے اور اگر یہ اس مقام پر بیٹھنے کے لائق نہ ہوتا تو کیسے بیٹھ سکتا تھا۔ یہ بات محقق ہے کہ انسان کا شرف زمان و مکان سے وابستہ نہیں بلکہ تقویٰ سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ"[۲۸]

ملفوظاتِ شاہ مینا کے مطالعے سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ شیخ قوام الدین شعر کہہ لیتے تھے۔ سید محی الدین رضوی نے ان کے چند اشعار تبرکاً نقل کیے ہیں۔ موصوف صاحبِ تصنیف بزرگ تھے اور ان کی تصانیف میں سے معیار التصوف، ارشاد الطالبین اور اساس الطریقۃ کا ذکر ملفوظات میں ملتا ہے[۲۹]

اہلِ سنت عموماً آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے مقلد ہوتے ہیں لیکن ملفوظاتِ شاہ مینا کے مطالعے سے

---

[۲۵] عبداللہ خویشگی، معارج الولایت، ورق ۱۸۴ ب

[۲۶] خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۲ الف

[۲۷] سید محی الدین، ملفوظات شاہ مینا، ص ۳۳، ۷۵

[۲۸] ایضاً، ص ۷۹

[۲۹] ایضاً، ص ۷۵، ۱۱۸، ۱۵۷

یہ عجیب انکشاف ہوا کہ شیخ قوام الدین سُنی ہونے کے باوجود حضرت جعفر صادقؒ کے فقہی مسلک پر کاربند تھے[۳۰] ایسی مثال صوفیوں کے کسی تذکرے میں ہماری نظروں سے نہیں گزری۔

شیخ عبدالحق محدث اور عبداللہ خویشگی نے شیخ قوام الدین کا سن وفات نہیں لکھا۔ ملفوظات شاہ مینا میں مرقوم ہے کہ موصوف شاہ مینا کی ولادت سے چالیس روز پہلے فوت ہوئے تھے[۳۱] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں ہوا تھا۔ شیخ قوام الدین کا مزار میڈیکل کالج لکھنؤ کے کیمپس میں نرسز ہوم کے قریب واقع ہے۔ شاہ مینا کی درگاہ سے اس کا فاصلہ بمشکل ایک فرلانگ ہوگا۔

حضرت سعدؒ، شاہ میناؒ، شیخ سارنگؒ اور جناب قوام الدینؒ کے جانشین اور ان کے مسلک پر گامزن تھے۔ خواجہ جمال ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ موصوف قولاً اور فعلاً اپنے مرشد کا اتباع کیا کرتے تھے[۳۲]۔ اپنے اسلاف کی طرح شیخ موصوف بھی مروجہ تصوف کو قرنِ اول کا "احسان" بنانے میں کوشاں رہے۔ ان کا یہ قول سنہری حروف میں لکھنے کے لائق ہے کہ اگر شیخ کا قول و فعل، کتاب، سنت اور اجماع صحابہ کے خلاف ہو جائے تو وہ شیخی کے لائق نہیں رہتا[۳۳]

شاہ مینا کی وفات کے بعد شیخ سعدؒ چھ سال تک لکھنؤ میں مقیم رہے۔ تحفۃ السعدا کے مطالعہ سے بظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ لکھنو ان کے وہاں قیام سے خوش نہ تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ باہر سے یہاں آکر شاہ میناؒ کے جانشین بن گئے ہیں۔ ایک روز کسی شخص نے لکھنؤ کے علما و مشائخ کی دعوت کی۔ شیخ سعد کی آمد سے قبل علما و مشائخ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ انھیں صدر مجلس نہیں بنائیں گے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو محفل کا رنگ دیکھ کر صفِ نعال کے قریب بیٹھ گئے۔ کھانا شروع ہونے سے قبل اتفاقاً سلطان سکندر لودھی کا ایک امیر سعید خان لودھی دس ہزار لشکریوں کے ساتھ ان کی زیارت کو وہاں پہنچ گیا۔ اس نے شیخ سعدؒ کے قدموں میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھا۔ اس کے لشکریوں نے شیخ موصوف کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ حاضرینِ مجلس کی پگڑیاں گر گئیں اور بہت سے علما کو وہاں بیٹھنے کو جگہ نہ ملی۔ کھانے کے بعد علما و مشائخ اپنے کیے پر نادم ہوئے[۳۴]

---

۳۰ سید محی الدین، ملفوظات شاہ مینا، ص ۸۲ —— بر مذہب امام جعفر رضی اللہ عنہ بودہ است۔

۳۱ ایضاً، ص ۴

۳۲ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۱۸ الف — ۳۳ ایضاً، ورق ۳ ب — ۳۴ ایضاً، ورق ۲۲ ب

شیخ سعد کو ان کے حسد سے بڑا رنج پہنچا۔ انہی دنوں شاہ مینا مرحوم نے انھیں خواب میں خیرآباد جانے کا اشارہ کیا۔ موصوف شاہ مینا کی خانقاہ اپنے بھتیجے شیخ نصیرالدین کے سپرد کرکے خیرآباد روانہ ہوگئے۔ شیخ نصیرالدین کے ناخلف فرزندوں نے خانقاہ کی تمام وقف اراضی فروخت کردی۔ شیخ سعد نے گومتی کے کنارے ایک خانقاہ تعمیر کروائی تھی، وہ بھی ختم ہوگئی۔ اس کے علاوہ انھوں نے مسافروں کے آرام کے لیے ایک سرائے تعمیر کروائی تھی، وہ بھی دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب تباہ ہوگئی۔ البتہ انھوں نے بانگر مئو میں جو خانقاہ بنوائی تھی، وہ ان کے بھتیجے شیخ ابراہیم نے آباد رکھی۔[۳۵]

شیخ سعد لکھنؤ سے خیرآباد چلے آئے۔ اس زمانے میں سلطان سکندر لودھی کے رشتے دار میاں راجی اور میاں موسیٰ وہاں کے حاکم تھے۔ شیخ موصوف نے شہر سے باہر ایک ویران جگہ دیکھ کر وہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ اس زمانے میں قلعے سے لے کر ان کی خانقاہ تک ایک سپاٹ میدان تھا اور شہر میں شرفا کی کمی تھی۔ ان کے وہاں جانے کے بعد شرفا اور اعیان وہاں آکر آباد ہوگئے۔

حاکمانِ شہر کا وکیل برخوردار شیخ سعد کا مرید ہوگیا۔ ایک دن وہ اپنے مالکوں کے ساتھ شکار پر گیا تو اثنائے سفر میں امساکِ باراں کا ذکر شروع ہوا۔ میاں راجی اور میاں موسیٰ نے برخوردار سے کہا کہ اگر آج بارش ہوجائے تو وہ اس کے مرشد کی بزرگی کے قائل ہوجائیں گے۔ اگر شیخ موصوف عند الملاقات ان دونوں کو الگ الگ رنگ کی ٹوپیاں عطا فرمائیں تو وہ ان کے مرید ہوجائیں گے۔ خواجہ جمال لکھتے ہیں کہ جب وہ دونوں شیخ سعد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے ان میں سے ایک کو سبز رنگ کی اور دوسرے کو زرد رنگ کی ٹوپی عطا فرمائی اور اس روز خوب زور کی بارش ہوئی۔ انھوں نے حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر دو گاؤں خانقاہ کے اخراجات کے لیے نذر کیے۔[۳۶]

تحفۃ السعدا میں مرقوم ہے کہ قصبہ اور قلعہ خیرآباد کا بانی یوسف خان غازی تھا۔ وہ کسی حاکم کی طرف سے وہاں امیر مقرر ہوکر آیا تھا۔ اس کا مقبرہ وہیں ہے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے سپاہی منتشر ہوگئے اور وہاں اسلام اور مسلمانوں کو ضعف پہنچا۔ جب حضرت سعد خیرآباد تشریف لائے تو اس وقت یوسف خان کا فرزند نصرت خان وہاں موجود تھا لیکن وہ کافی معمر ہوچکا تھا۔ ایک روز نصرت خان حضرت سعدؒ سے ملنے آیا۔ اس نے انھیں بتایا کہ اس کا والد کہا کرتا تھا کہ وہ گھر بنا رہا ہے لیکن اس کا مالک کوئی اور ہوگا۔ اب آپ یہاں تشریف لے آئے ہیں، لہٰذا آپ ہی

---

[۳۵] خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۲۲ ب

[۳۶] ایضاً، ورق ۲۳ الف

خیر آباد کے مالک ہیں[۳۷]

ایک دن ایک جوگی حضرت سعد سے ملنے آیا۔ اس نے دیکھا کہ ان کی خانقاہ میں لنگر جاری ہے لیکن حضرت خود بڑے لاغر ہو رہے ہیں۔ اس نے خیال کیا کہ موصوف شاید لنگر کے اخراجات کے لیے فکر مند رہتے ہیں، اس لیے اس نے کیمیا گری سے کمائی ہوئی کچھ رقم نذر کرنی چاہی۔ حضرت سعد نے وہ رقم لینے سے انکار کر دیا اور ایک مرید سے کہا کہ اسے ان کے حجرے میں لے جائے۔ جوں ہی وہ جوگی حجرے میں داخل ہوا اس نے دیکھا کہ وہاں سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ جوگی سمجھ گیا کہ یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے[۳۸]

حضرت سعد کی زندگی میں فتح خان خیر آباد کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے وہاں ایک سرائے بھی بنوائی تھی جو اس کے نام کی مناسبت سے سرائے فتح خان کہلاتی تھی۔ فتح خان بڑا ظالم تھا اور خواص و عوام اس کے ظلم سے نالاں تھے۔ ایک بار وہ کہیں باہر گیا تو لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ چند روز بعد جب اس کی واپسی کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ فریاد کرتے ہوئے حضرت سعد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے سلطان المشائخ اور سلطان غیاث الدین تغلق کا واقعہ بیان کر کے فرمایا "ہنوز دلی دور است"۔ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ تو خیر آباد کے بالکل قریب پہنچ گیا ہے۔ آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ جب فتح خان، آبادی کے قریب پہنچا تو اس نے رُخ پھیر کر کسی سے بات کرنی چاہی تو اس کا چہرہ مڑا کا مڑا رہ گیا۔ اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور بالآخر وہ دو تین روز بعد مر گیا[۳۹]

تحفۃ السعدا میں مرقوم ہے کہ خیر آباد کا چوہدری کہرو نام چمار برادری کا فرد تھا۔ حضرت سعد اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ ایک روز میاں قاضی راجا نے ان سے کہا کہ وہ ایک کافر چمار کی اتنی تعظیم کیوں کرتے ہیں؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وہ محض لوگوں کو اس کے ظلم سے بچانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ایک روز وہ حضرت سعدؒ سے ملنے آیا تو آپ نے لوگوں کے اصرار پر اس کی تعظیم نہ کی۔ وہ ان کی مجلس سے دل گیر ہو کر واپس گیا اور رعایا پر ظلم ڈھانے لگا۔ لوگ تنگ آ کر حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت نے فرمایا "میں نہ کہتا تھا کہ میں تمھاری ہی خاطر اس کی تعظیم کرتا ہوں"۔ حضرت سعدؒ نے میاں قاضی راجا کو کہرو کے پاس بھیجا، لیکن اس نے اقتدار کے نشے میں ان کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔

۳۷ؔ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۲۵ ب   ۳۸ؔ ایضاً، ورق ۲۶ الف   ۳۹ؔ ایضاً، ورق ۲۹ ب

اتفاق سے ایک روز اس کا بیٹا گھوڑے سے گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ کہرو بھاگا بھاگا شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے کیے پر نادم ہوا۔ اس نے کہا کہ وہ آئندہ کے لیے توبہ کرتا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا، "تیر بہدف رسید"۔ کہرو اُن کی مجلس سے مایوس ہو کر لوٹا اور کچھ دیر بعد اس کا بیٹا مر گیا۔

خیر آباد کا حاکم آگرہ میں رہتا تھا۔ کہرو اس کے پاس پہنچا۔ اس کے دل میں شیخ سعد اور خیر آباد کی رعایا کے خلاف عناد تھا اس لیے اس نے حاکم سے کہہ سن کر خیر آباد کی ایک لاکھ بیگھہ اراضی جو آئمہ کے پاس تھی، اجارے پر لے لی۔ جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ حضرت سعد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے، "ما مسلمانان از دستِ کافر ویران می شویم"۔ حضرت نے اپنے ایک خلیفہ شیخ صفی سے کہا کہ ظالم کو دفع کرنے کے لیے کچھ پڑھیں۔ شیخ صفی نے کوئی وظیفہ پڑھا لیکن اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ اگلی شب ایک مردِ بزرگ اس طرف آنکلا۔ اس نے حضرت سعدؒ سے کہا، "کہرو مردِ بد بدوزخ سپرد"۔ اتفاق دیکھیے کہ جب کہرو حاکم کے پاس موجود تھا، کسی شخص نے حاکم سے کہا کہ کہرو جادو ٹونے کا بڑا ماہر ہے۔ حاکم نے اس سے کہا کہ وہ یہ علم اسے بھی سکھا دے۔ کہرو نے انکار کیا تو حاکم نے طیش میں آ کر اسے قتل کروا دیا۔[۴۰]

خواجہ جمال رقم طراز ہیں کہ ایک بار سلطان سکندر لودھی کڑہ سے شیخ سعد کی ملاقات کو آیا۔ حضرت نے حسبِ معمول اس کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ سلطان سکندر ناراض ہو کر واپس چلا گیا۔

ایک بار جب حضرت سعد آگرہ میں تھے تو سلطان سکندر نے حکم دیا کہ انھیں کشتی میں بٹھا کر دریا کے وسط میں لے جائیں اور کشتی غرق کر دیں۔ سلطان کے حکم سے فیل بانوں نے ایک مست ہاتھی کشتی کی طرف بڑھایا۔ اس وقت میاں موسیٰ اور میاں راجی سکندر لودھی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سلطان نے ان سے کہا کہ ان کا پیر دریا میں غرق ہوا چاہتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ان کا پیر ایسا نہیں ہے کہ دریا میں غرق ہو جائے۔ اتفاق سے دریا پایاب ہو گیا اور شیخ سعد اپنے ساتھیوں سمیت پار ہو گئے۔[۴۱]

تحفۃ السعدا میں مرقوم ہے کہ آگرہ میں قیام کے دوران میں شیخ سعد کھانے پینے کے معاملے میں بڑی احتیاط کیا کرتے تھے۔ جن دنوں ان کا قیام لشکر میں تھا تو لشکریوں نے ایک گاؤں لوٹ لیا۔ شیخ نے گیارہ روز تک کھانا نہیں کھایا۔ بارھویں روز قاضی محمد بن من اللہ کسی متقی امیر کے گھر سے کھانا لائے تو حضرت سعد نے فاقہ توڑا۔[۴۲]

---

[۴۰] خواجہ جمال، تحفۃ السعدا: ورق ۳۰ الف، ۳۰ ب، ۲۱ الف، [۴۱] ایضاً، ورق ۲۴ الف [۴۲] ایضاً

خواجہ جمال لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت سعدؒ دہلی جاتے ہوئے بدایوں سے گزرے۔ ان دنوں وہاں مخدوم بدرالدین کے زہد و ورع کا بڑا چرچا تھا۔ حضرت سعد چنڈول میں سوار ہو کر مخدوم صاحب سے ملنے گئے۔ مخدوم صاحب کے ایک خادم نے ان سے کہا کہ مخدوم صاحب کی خانقاہ کا احترام ملحوظ رکھیں۔ اس وقت وہ خادم ایک بچی کو گود میں لیے ہوئے تھا۔ شیخ نے اسے کہا "تم بچیوں کو ہی کھلایا کرو گے۔" اس کے بعد اس کے ہاں کئی بچیاں پیدا ہوئیں۔ اس نے مخدوم بدرالدین سے التجا کی کہ اس کے لیے بیٹے کی دعا کریں۔ انھوں نے فرمایا کہ خیر آباد جا کر حضرت سعد سے دعا کراؤ۔ وہ خیر آباد جا کر شیخ سے ملا تو انھوں نے فرمایا "برادرم بدرالدین نے تمھیں بھیجا ہے۔ جاؤ، خدا بیٹا دے گا"[۴۳]

تحفۃ السعدا میں مرقوم ہے کہ حضرت کی دعا سے چاند نامی ایک موسیقار نے نوعمری ہی میں سنگیت میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ وہ اپنے ہم عصر سلاطین کے درباروں میں بڑا مقبول ہوا۔ اس کے بیٹوں نے بھی فن موسیقی میں بڑا نام پیدا کیا۔ اس کا ایک بیٹا شیخ پھول رباب بجانے میں اپنی نظیر آپ تھا۔ خواجہ جمال نے اس کی استادی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"درواد ئی نواختن رباب نادر العصر است۔ مقبول بادشاہ وقت است ہر کہ رباب او شنیدہ است میداند کہ سحر پرداز د۔"[۴۴]

تحفۃ السعدا میں ایک جگہ کلاونت چھجو کا ذکر آیا ہے۔ وہ بھی اپنے زمانے کا بہترین رباب نواز تھا۔

شیخ بڈھن قنوجی اس عہد کے ایک نامور عالم اور زاہد تھے، وہ سماع کے منکر تھے۔ ایک بار حضرت سعد کا ایک مرید بھونگاؤں سے خیر آباد جا رہا تھا۔ اتفاقاً قنوج میں اس کی ملاقات شیخ بڈھن سے ہوئی، تو انھوں نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اس نے عرض کیا کہ وہ اپنے پیر کی زیارت کے لیے خیر آباد جا رہا ہے۔ شیخ موصوف نے فرمایا "تیرا پیر تو مسخرہ ہے، وہ سماع سنتا ہے۔" جب وہ مرید خیر آباد پہنچا تو اس نے حضرت سعد سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ انھوں نے "ہندوی" میں فرمایا، "وہ کندہت نا نچے گا۔"

کچھ عرصہ بعد حضرت سعدؒ کا قنوج جانا ہوا تو موصوف نے شیخ بڈھن کی خانقاہ میں قیام کیا۔ انھوں نے

---

۴۳ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا: ورق ۲۴ ب ۴۴ ایضاً، ورق ۳۲ ب

ایک روز سماع سننے کی خواہش کا اظہار کیا تو لوگ قوالوں کو بلا لائے ۔ شیخ بڈھن نے قوالوں کو آتے دیکھا تو اپنے گھر تشریف لے گئے ۔ حضرت سعد نے انھیں پیغام بھجوایا کہ یہ کہاں کی شرافت ہے کہ میزبان مہمان کو تنہا چھوڑ کر چلا جائے ۔ مجبوراً شیخ بڈھن واپس آئے ۔ دورانِ سماع جب حضرت سعد کو وجد طاری ہوا تو انھوں نے شیخ بڈھن کا ہاتھ تھام لیا ۔ اسی وقت ان پر بھی وجد طاری ہو گیا ۔ شیخ بڈھن بے قرار ہو کر خانقاہ سے نکل گئے ۔ قوالوں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی ان کے ساتھ قنوج کے گلی کوچوں میں قوالی کرتے پھرتے رہے ۔ اس واقعہ کے بعد شیخ بڈھن سماع کے قائل ہو گئے ۔[۴۵]

شیخ سعد فرماتے ہیں کہ خراسان کے ایک بزرگ شام گئے ۔ وہاں جا کر انھوں نے لوگوں سے کسی متقی عالم کا پتا پوچھا ، لوگوں نے سعد الدین مفسّر کا نام لیا تو وہ بزرگ ان سے ملنے گئے ۔ جس وقت یہ ان کے ہاں پہنچے اس وقت وہ اپنے گھر کی دیواروں پر گوبر کا لیپ کر رہے تھے ۔ اس بزرگ نے انھیں اس حال میں دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیسے عالم اور متقی ہیں ؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے : وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ ، اور ان کے ہاتھ اور کپڑے گوبر سے سنے ہوئے ہیں ۔[۴۶]

تحفۃ السعدا کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ سلطان ابراہیم لودھی کی تعلیم و تربیت شیخ بہکھاری نے کی تھی ۔ شیخ موصوف قصبہ اجولی کے رہنے والے تھے اور انھیں شیخ سعد کے مدرسے سے سندِ فراغت ملی تھی ۔ حضرت سعد کے کہنے پر شیخ انجھن نے اپنی بیٹی کا عقد شیخ بہکھاری کے ساتھ کر دیا تھا ۔ سلطان ابراہیم نے تخت نشینی کے بعد اپنے استاد کا اتنا احترام کیا کہ انھیں منصبِ وزارت عطا کیا ۔[۴۷]

مغلیہ عہد کے مورخوں نے ابراہیم لودھی کے ظالم و جابر ہونے کی گواہی دی ہے ۔ میاں بھووہ اپنے زمانے کے نامور عالم اور ماہر موسیقار تھے ۔ سلطان سکندر نے انھیں اپنا وزیر بنایا تھا ۔ ابراہیم کے عہد میں علما و امرا کی ناقدری شروع ہوئی تو کسی نے ابراہیم سے کہا کہ میاں بھووہ نے اسے "مشکِ سیاہ" کہا ہے ۔ ابراہیم نے اتنی سی بات پر مشتعل ہو کر میاں صاحب کو خوب پٹوایا ۔[۴۸] فاضل مرتب نے میاں بھووہ کے علاوہ محمد خان فرملی عرف کالا پہاڑ کے ساتھ ابراہیم کے نازیبا سلوک کا بھی ذکر کیا ہے ۔[۴۹]

---

۴۵ خواجہ جمال : تحفۃ السعدا ، ورق ۲۶ الف ۔ ۴۶ ایضاً ، ورق ۱۶ ب

۴۷ ایضاً ، ورق ۲۷ ب ۴۸ ایضاً ۴۹ ایضاً

شیخ سعد کی وفات

حضرت سعد ۱۶ ربیع الاول ۹۲۲ھ / ۱۵۱۶ء کو بعمر ۱۰۸ سال فوت ہوئے۔ فیضی نے ان کی شان میں یہ اشعار کہے، جو اُن کے مزار پر آویزاں ہیں :

حیف آن شاہ ولایت شیخ سعد   گشت در فردوس اعلیٰ جاگیر
بہ چو مخدوم کبیر اُو را لقب   لاجرم شد سال "مخدوم کبیر"
۹۲۲ھ

شیخ سعد کے خلفا

حضرت سعد نے اپنے بزرگوں کی روایت کے خلاف ۲۹ مریدوں کو خلافت عطا فرمائی۔ تحفۃ السعدا میں ان کے خلفا کے نام درج ہیں، جو یہ ہیں : شیخ محمود بلخی، شیخ مبارک لکھنوی، قاضی محمد، شیخ ملک شمس آبادی، شیخ چاند، قاضی راجا، میاں سکندر، قاضی بڈہ، شیخ ابراہیم بھوج پوری، شیخ ابراہیم راجو برادرزادۂ خود، میاں شیخ صفی احمد ساکنِ سائے پور، شیخ گدن خیرآبادی، شیخ معظم گوپاموی، میراں سید حامد لکھنوی، شیخ محمود (سراج الاسلام)، شیخ نصیرالدین برادرزادۂ خود، شیخ اعظم ساکن قلعہ نو، میراں سید گسائیں بخاری، میراں سید ساکن کہری، شیخ نورالحق بجنوری ثم لکھنوی، شیخ قاسم ساکن اجولی، شیخ بڈھن مبارک، میاں شیخ علاءالدین ارزانی، میاں بخش قاضی ساکن دالنسو، شیخ مبارک ساکن رودولی، میاں سید پیارے جون پوری، شیخ گدن صالح لکھنوی، میاں شیخ برہان اور ایک خلیفہ کا نام خواجہ جمال کو یاد نہیں رہا۔[۵۵]

شیخ سعد کے جانشین

حضرت سعدؒ کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے سراج الاسلام محمود بن شیخ محمد اُن کے جانشین ہوئے۔ وہ بڑے خوش شکل تھے اور لوگ انھیں "یوسف این است" کہا کرتے تھے۔ ان کے جود وسخا کا شہرہ دور دور تک تھا۔ وہ اپنے عہد میں قرآنِ حکیم کے بہترین مفسر مانے جاتے تھے۔ ایک بار بابر بادشاہ ان سے ملنے آیا۔ ان سے ملاقات کے بعد اس نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ایسے لوگ بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔

تحفۃ السعدا میں مرقوم ہے کہ ایک بار شہزادہ ہمایوں بابر سے ناراض ہوکر آگرہ سے دہلی چلا گیا۔ بابر

۵۵۔ خواجہ جمال ؛ تحفۃ السعدا ۔ ورق ۲۰ الف

نے سراج الاسلام سے کہا کہ اسے دلاسہ دیں اور سمجھا بجھا کر آگرہ واپس لے آئیں۔ انھوں نے فرمایا کہ بادشاہ کا کوئی رشتہ دار نہیں ہوتا[۵۱]۔ سراج الاسلام نے بابر سے کہا کہ اگر وہ ان کے سامنے قسم کھائے کہ وہ اسے کسی قسم کا آزار نہیں پہنچائے گا تو پھر وہ اسے منانے جائیں گے۔ بابر نے قرآن حکیم ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ وہ ہمایوں کو کوئی آزار نہیں پہنچائے گا۔ اس کے بعد سراج الاسلام دہلی گئے اور ہمایوں کو سمجھا بجھا کر آگرہ لے آئے۔ بابر نے ان کی اس خدمت سے خوش ہو کر ان کو سراج الاسلام کا خطاب عطا کیا اور خانقاہ کے اخراجات کے لیے ساٹھ ہزار بیگھہ اراضی پیش کی[۵۲]۔

سراج الاسلام محمودؒ ۳ صفر ۹۴۸ھ (۱۵۴۲ء) کو فوت ہوئے تو اس وقت ان کے فرزند شیخ کمال کی عمر تین برس تھی۔ اس کے باوجود لوگوں نے انھیں اپنے والد کی مسند پر بٹھا دیا۔ موصوف نے ترپن سال کی عمر میں ۲۳ شعبان ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) کو وفات پائی۔ انھیں اپنے بزرگوں سے جو خرقہ ملا تھا وہ انھوں نے تحفۃ السعدا کے مرتب خواجہ جمال کو عطا فرمایا۔ خواجہ جمال نے ان کے لیے سلطان العاشقین اور برہان السالکین جیسے القاب استعمال کیے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ مغل بادشاہ اکبر ان کا لحاظ کیا کرتا تھا[۵۳]۔

درگاہ شیخ سعد، خیرآباد

خیرآباد، لکھنؤ سے سیتاپور جانے والی سڑک پر، لکھنؤ سے ۸۲ کلومیٹر کے فاصلے پر اودھ کا ایک تاریخی قصبہ ہے۔ ماضی قریب میں ریاضؔ خیرآبادی کی وجہ سے اس قصبے کو بڑی شہرت ملی ہے۔

خیرآباد میں یوں تو بہت سے بزرگوں کے مزارات ہیں، لیکن وہاں کی سب سے بڑی درگاہ، حضرت شیخ سعد کی ہے۔ خیرآباد کے جنوب مغرب میں منشی نیاز احمد کے باغ کے قریب ایک بڑے احاطے میں حضرت سعد کا مزار ہے۔ ان کے مزار پر ایک شان دار گنبد بنا ہوا ہے، جو دور سے نظر آتا ہے۔ اسی احاطے میں ایک مسجد بھی ہے جس پر تین گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کے شمالی سمت ایک چھوٹا سا قبرستان بھی ہے جس میں برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم مولانا فضلِ امام خیرآبادیؒ (م ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء) اور مولانا عبدالحق خیرآبادیؒ (م ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) محوِ خوابِ ابدی ہیں۔ راقم الحروف نے ۲۱ اگست ۱۹۸۱ء کی شام

---

[۵۱] Kingship knows no kinship

[۵۲] خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۴۶ الف [۵۳] ایضاً ۴۷ ب

خیرآباد میں گزاری اور وہاں کے تاریخی مقامات اور اکابر کے مزارات دیکھے۔

تحفۃ السعدا کی اہمیت

تحفۃ السعدا اس لحاظ سے بڑی اہم تصنیف ہے کہ اس میں شیخ قوام الدینؒ، شیخ سارنگؒ، مخدوم شاہ مینا، شیخ سعدا اور ان کے جانشینوں کے بارے میں بڑی اہم معلومات ملتی ہیں۔ شیخ سارنگ کی تاریخ وفات اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں نہیں ملتی۔ تحفۃ السعدا میں ان کی تاریخ وفات درج ہے۔ شیخ موصوف کے بارے میں یہ اطلاع بھی خواجہ جمال ہی نے فراہم کی ہے کہ وہ زمانہ امارت میں بارہ ہزار سواروں کے کمان دار تھے۔

حضرت راجو قتال کا اصل نام سید محمد بن احمد الحسینی تھا۔ لیکن وہ راجو قتال کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لقب کی توضیح کرتے ہوئے خواجہ جمال لکھتے ہیں کہ انھیں قتال اس لیے کہتے تھے کہ کوئی شخص ان کی نظروں کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ نیز حضرت کی زبانِ مبارک سے جو بات نکلتی، وہ پوری ہو کر رہتی۔[۵۴]

تحفۃ السعدا ہی سے اس عہد کے دو مفسروں، حضرت سراج الاسلام محمودؒ اور بندگی میاں نظام الدین امیٹھوی کا پتا چلا۔ اس تصنیف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانے میں مقامی حکام کا ظلم عام تھا۔ خواجہ جمال نے فتح خان اور چودھری کہرو کے ظلم و ستم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ لشکری بلاوجہ گاؤں لوٹ لیا کرتے تھے اور غریبوں کی کوئی داد فریاد نہ تھی۔

ایک موقع پر خواجہ جمال لکھتے ہیں کہ زمیندار اور چودھری سرکاری واجبات ادا کرنے سے قاصر تھے۔ فتح پور کے چودھری میاں جنو کے ذمے بیس لاکھ ٹنکے تھے لیکن اس میں یہ رقم ادا کرنے کی ہمت نہ تھی۔[۵۵]

تحفۃ السعدا ہی میں بابر کے سراج الاسلام کے ساتھ تعلقات اور ہمایوں اور بابر میں رنجش کا ذکر آیا ہے۔ یہ بھی ایک تاریخی انکشاف ہے۔ اس تصنیف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکبر شیخ کمال کا لحاظ کیا کرتا تھا۔

تحفۃ السعدا میں کوٹھی اور چنڈول جیسے ہندی الفاظ ملتے ہیں جو روزمرہ کی زبان میں استعمال ہوتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ سعدؒ "ہندوی" زبان جانتے تھے۔ ان کے مرشد شاہ مینا بھی بلا تکلف "ہندوی" میں گفتگو کر لیتے تھے۔[۵۶]

ترقیمہ

تحفۃ السعدا ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: "تمام شد رسالہ مسمی بہ تحفۃ السعدا بخط احقر العباد غریب داس بتاریخ سلخ شعبان ۱۰۷۵ھ بروز شنبہ بحسب اتفاق آخور س در مکان شاہ صفی اللہ نور اللہ مرقدہٗ۔"

۵۴۔ خواجہ جمال، تحفۃ السعدا، ورق ۴ ب ۵۵۔ ایضاً، ورق ۴۵ الف

۵۶۔ محی الدین رضوی، ملفوظات شاہ مینا، ص ۲۰۶